نقشِ
حیات امام حسن عسکریؑ

ولادت: ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ
شہادت: ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ

نقشِ زندگانی امام حسن عسکری علیہ السّلام

ماہ ربیع الثانی ۲۳۲ھ کی دسویں تاریخ تھی جب سلسلۂ امامت کا گیارہواں وارث پیغمبرؐ اس دارِ دنیا میں تشریف فرما ہوا اور مدینہ کی سرزمین نورِ جمالِ امامت سے منور ہوگئی۔

● اسم گرامی حسن قرار پایا اور القاب زکی، عسکری اور ابن الرضا قرار پائے۔ کنیت ابو محمد تھی، اور مادرِ گرامی کا نام حُدیثہ یا سلیل تھا جن کے بارے میں امام علی نقیؑ نے فرمایا کہ وہ جملہ عیوب و نقائص سے مُبرّا اور پاک و پاکیزہ خاتون ہیں۔ آپ کے وقت ولادت امام علی نقیؑ کی عمر شریف تقریباً سولہ سال چند ماہ کی تھی۔

● لقب عسکری کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ کے محلہ کا نام عسکر تھا جہاں سامرہ میں آپ کا قیام تھا۔ اور شاید اسے عسکر اس بنا پر کہا جاتا تھا کہ وہاں بادشاہِ وقت نے فوجی چھاؤنی بنا رکھی تھی، یا اس مقام پر متوکل نے اپنی فوجوں کی نمائش کی تھی جس کے ذریعہ امام علی نقیؑ کو مرعوب کرنا چاہا تھا لیکن جب آپ نے آسمانی فوجوں کا مشاہدہ کرا دیا تو وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔

● انگشترِ مبارک کا نقش "سبحان من لہ مقالید السمٰوٰت والارض" — یا بقولے "انا اللہ شھید" تھا۔

● بادشاہِ وقت واثق باللہ تھا۔ اس کے بعد ۲۴۷ھ تک متوکل کی حکومت رہی۔ ۲۴۷ھ میں منتصر بن متوکل حاکم ہوا، ۲۴۸ھ میں مستعین کی حکومت قائم ہوئی، ۲۵۲ھ میں معتز باللہ تخت نشین ہوا اور اسی نے امام علی نقیؑ کو زہرِ دغا سے شہید کرا دیا۔ پھر ۲۵۵ھ میں مہتدی اور ۲۵۶ھ معتمد علی اللہ کی خلافت قائم ہوئی اور اسی ظالم نے امام حسن عسکریؑ کو شہید کرایا۔

● عمر مبارک چار سال کی تھی جب ۲۳۶ھ میں امام علی نقیؑ کو مدینہ سے سامرہ طلب کیا گیا، اور پدرِ بزرگوار کے ہمراہ سامرہ آگئے۔ مدینہ سے رخصت ہونے سے پہلے امام علی نقیؑ نے بزرگانِ مدینہ کو

جمع کیا اور اس بات کا اعلان کیا کہ میرا وارث میرا یہ فرزند حسنؑ ہے اور اس پر متعدد افراد کو گواہ بھی قرار دے دیا۔

● سامرہ آنے کے بعد ایک روز آپ سرِراہ کھڑے تھے اور بچے کھیل رہے تھے کہ ادھر سے بہلول دانا کا گذر ہوگیا۔ بہلول نے آپ کی تنہائی اور اُداسی کو دیکھ کر عرض کی کہ فرزند اگر آپ کے پاس کھیل کا سامان نہیں ہے تو میں ابھی لائے دیتا ہوں، آپ مایوس نہ ہوں۔ آپ نے فوراً آیتِ قرآنی کی تلاوت کی کہ ہم کھیل کود کے لیے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ رب العالمین نے ہمیں ایک عظیم مقصد عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور ہمیں پلٹ کر اسی کی بارگاہ میں جانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب دینا ہے۔

● حکامِ وقت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اسی طرح رہا جس طرح آپ کے بزرگوں کے ساتھ تھا۔ متوکل تو عداوتِ آلِ محمدؐ میں خاص شہرت رکھتا تھا اور اس کے مظالم یزید بن معاویہ سے کسی طرح کم نہ تھے، منتصر بھی اسی کے نقشِ قدم پر چلتا رہا۔ مستعین نے متوکل ہی کو قید کرا دیا تو امام علیہ السلام کے بارے میں کس شریفانہ برتاؤ کی توقع کی جا سکتی تھی۔ مہتدی نے صالح بن وصیف کی جیل میں رکھا اور اسے ہدایت کر دی کہ سخت ترین سلوک کیا جائے چنانچہ اس نے علی بن یارمش اور ایک اور شخص کو اس بات پر مامور کر دیا کہ آپ کو انتہائی تکلیف دی جائے لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں شخص اعلیٰ درجہ کے مومن اور متقی ہو گئے ہیں لہٰذا انھیں طلب کر کے سبب دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ ہمارا قیدی دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نمازیں پڑھتا رہتا ہے ایسی حالت میں ہمارے پاس اس کو تکلیف دینے کا کوئی جواز نہیں ہے اور یہ بہترین موقع ہے کہ اس سے درسِ بندگی حاصل کیا جائے۔ بنی عباس نے صالح کا یہ بیان سُنا تو مایوس ہو کر چلے گئے۔

● مستعین کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ایک انتہائی سرکش گھوڑا خریدا جو کسی طرح سواری قبول نہ کرتا تھا۔ لوگوں نے مشورہ دیا کہ اس پر حسن عسکریؑ کو سوار کر دو ان کا بھی کام تمام ہو جائے گا۔ مستعین نے اس رائے کو پسند کیا اور حضرت کو طلب کر لیا۔ آپ گھوڑے کے قریب گئے تو اس نے سر جھکا لیا اور آپ سوار ہو گئے، تھوڑی دیر تک دوڑاتے رہے اور پھر اُتر آئے،

اور فرمایا کہ اب مزید کوئی کام تو نہیں ہے۔ مستعین نے شرمندہ ہو کر وہ گھوڑا آپ کے حوالے کر دیا اس لیے کہ کوئی دوسرا اس پر سوار نہ ہو سکتا تھا اور اقتدارِ امامت کا اظہار حکومت کے لیے ایک مستقل خطرہ بنا ہوا تھا۔

● آپ کے ایک صحابی احمد بن محمد نے مہدی کے مظالم کی فریاد کی تو فرمایا کہ صبر کرو، پانچ دن کا معاملہ اور ہے۔ چنانچہ پانچ دن کے بعد مہدی واصلِ جہنم ہو گیا۔

● آپ کا عقد جناب نرجس سے ہوا جو قیصر روم کی پوتی اور جناب شمعون وصی حضرت عیسٰی کی نواسی ہوتی تھیں اور انتہائی پاکباز اور مقدس خاتون تھیں، جنھیں رب العالمین نے آخری حجت پروردگار کی مادرِ گرامی بننے کا شرف عنایت فرمایا تھا۔

علوم و کمالات

● ملا جامی رقم طراز ہیں کہ ایک شخص نے اپنے والد کے ساتھ امام حسن عسکریؑ سے ملاقات کا قصد کیا اور ارادہ یہ تھا کہ حضرت سے ۸۰۰ درہم قرض کا مطالبہ کریں گے۔ اتفاق سے حضرت کا اس طرف سے گزر ہو گیا لیکن یہ دونوں آپ سے باخبر نہیں تھے۔ آپ خود ان کے قریب گئے اور انھیں ۸۰۰ درہم دے دیے جس پر ان دونوں کو سخت حیرت ہوئی کہ یہ دلوں کے حالات سے کس طرح باخبر ہو گئے۔

● قید خانہ میں رہنے والے ایک قیدی نے آپ سے رہائی کی دعا کی درخواست کی اور غربت کا تذکرہ کرنے میں شرم محسوس کی تو آپ نے رہائی کے حق میں دعا فرمائی اور فرمایا کہ جس بات کا تم نے ذکر نہیں کیا ہے، اس سلسلہ میں مَیں عنقریب سو دینار بھیج دوں گا۔

● ایک شخص نے آپ کو خط لکھا اور اس میں مشکوٰۃ کے معنی دریافت کیے اور اپنی حاملہ عورت کے سلسلہ میں فرزند نرینہ کی ولادت کی درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد قلب مرسل اعظمؐ ہے اور خدا تجھے اولاد کے بارے میں صبر دے اور نعم البدل عطا کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ لڑکا مُردہ پیدا ہوا اور خدا نے اس کے بعد دوسرا فرزند عطا فرمایا۔

● حسن بن ظریف نامی شخص نے ظہور امام عصرؑ کا وقت دریافت کیا تو فرمایا اس کا تعلق علمِ الٰہی

سے ہے اور تم نے بخار کے بارے میں سوال نہیں کیا تو اس کا علاج یہ ہے کہ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا لکھ کر گلے میں لٹکا دو بخار زائل ہو جائے گا۔

● واضح رہے کہ تفسیر عسکریؑ براہ راست امام حسن عسکریؑ سے متعلق نہ بھی ہو تو بھی اس کتاب سے اس امر کا ثبوت بہرحال مل جاتا ہے کہ امام علیہ السلام نے تفسیر کے بارے میں اس قدر تشریحات بیان فرمائی ہیں کہ ان کے مجموعہ سے ایک کتاب تفسیر تیار ہو سکتی ہے اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ سرکار دو عالمؐ نے قرآن کے ساتھ اہلبیت طاہرینؑ کو اسی لیے چھوڑا تھا کہ وہ قرآن کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف کی تشریح و تفسیر کریں گے ورنہ اصل قرآن کے الفاظ تو امت اسلامیہ کے پاس کل بھی محفوظ تھے اور آج بھی محفوظ ہیں لیکن اس کے باوجود اسی قرآن سے ۷۳ فرقے پیدا کر لیے گئے ہیں اور آج تک تفرقہ پردازی کا سلسلہ جاری ہے اور ہر ایک کا دعویٰ یہی ہے کہ اس کا مسلک و مذہب اسی قرآن مجید سے ہم آہنگ ہے اور باقی سارے مذاہب قرآن حکیم سے انحراف کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہیں۔

● امام حسن عسکریؑ کو دیگر ائمہ طاہرین کی طرح یہ تائید الٰہی بھی حاصل تھی کہ آپ لکھتے لکھتے قلم کو رکھ دیتے تھے تو بحکم الٰہی قلم خود بخود حرکت کرتا تھا اور عبارت مکمل ہو جاتی تھی اور یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے اس لیے کہ ائمہ طاہرینؑ سوائے مشیت الٰہی کے اور کوئی قصد و ارادہ نہیں رکھتے تھے تو پروردگار نے بھی انھیں محل مشیتِ الٰہی قرار دے دیا تھا۔ ایسی صورت میں وہ وہی لکھتے تھے جو خدا چاہتا تھا اور جب کام خدا کی مشیت کے مطابق ہی ہونا تھا تو قدرت کے لیے دونوں امکانات تھے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ امامؑ ہی کے دست مبارک کو ذریعہ قرار دے اور یہ بھی ممکن تھا کہ امامؑ کی نیتِ خالص پر اعتماد کر کے دیگر وسائل غیبی سے اس کے مقصد کی تکمیل کر دے کہ بالآخر ان کا مقصد بھی وہی ہے جو مقصد پروردگار ہے۔

● امام حسن عسکریؑ کے علم بالقرآن کے بارے میں یہی ایک واقعہ کافی ہے کہ جب اس دور کے سرپھرے فلسفی اسحاق کندی نے تناقضات القرآن لکھنا شروع کی اور آیات کو یکجا کر کے یہ ثابت کرنا شروع کیا کہ قرآن مجید کے بیانات میں تضاد پایا جاتا ہے اور وہ ایک مقام پر ایک بیان دیتا ہے اور دوسرے مقام پر اس کے بالکل برعکس بولتا ہے جب کہ یہ بات شان تنزیل کے بالکل

خلاف ہے تو امام حسن عسکریؑ نے اسحاق کے ایک شاگرد سے فرمایا کہ تم اپنے استاد کو ایسی حرکت سے منع کیوں نہیں کرتے ہو۔ اس نے معذرت ظاہر کی تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اس سے کم سے کم اتنا سوال تو کردو کہ یہ تضاد اور تناقض تمھارے سمجھے ہوئے معانی میں ہے یا مراد الٰہی میں ہے۔ اگر مراد الٰہی میں ہے تو مراد الٰہی کے سمجھنے کا ذریعہ کیا تھا اور اگر تمھاری سمجھ میں ہے تو صاحب کلام کسی کی سمجھ کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے۔

شاگرد نے ایک دن موقع پاکر اسحاق سے یہ سوال کر دیا اور وہ مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اس نے صرف یہ سوال کیا کہ یہ بات تمھیں کس نے بتائی ہے؟۔ اس نے کہا کہ یہ میرے ذہن کی پیداوار ہے۔ اسحاق نے کہا کہ جو بات تمھارے استاد کے ذہن میں نہیں آئی ہے وہ تمھارے ذہن میں کہاں سے آگئی ہے؟ صحیح صحیح مدرک کا پتہ بتاؤ۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ بات حضرت حسن عسکریؑ نے بتائی ہے۔ اسحاق نے کہا کہ "الآن جئت بہ" اب تم نے صحیح بات بیان کی ہے۔ اس قسم کی گفتگو اس گھرانے کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا ہے اور یہ کہہ کر اپنے سارے نوشتہ کو نذر آتش کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب، بحار الانوار)

اس واقعہ سے اس حقیقت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے کہ قرآن مجید کے بیانات کے واقعی اتحاد و اتفاق کا سمجھنا اس امر پر موقوف ہے کہ انسان واقعی مراد الٰہی سے باخبر ہو ورنہ اس کے بغیر تضاد و تناقض کا احساس بھی کوئی عجیب و غریب بات نہیں ہے اور اکثر مفسرین اسی مشکل میں گرفتار رہتے ہیں اور قرآن مجید کی آیتوں میں اتحاد و اتفاق ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ان کا ادراک ظاہری معانی سے آگے نہیں ہوتا ہے اور ظاہری معانی کے اعتبار سے بعض اوقات تناقض اور تضاد کا احساس بہرحال ہونے لگتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے اتنی بڑی امت اسلامیہ اور اتنی کثیر صحابہ کرام کی جماعت کے باوجود عترت و اہلبیتؑ سے تمسک کا حکم اسی لیے دیا تھا کہ امت کے پاس تعلیم و تعلم کا علم ہے اور اس کا علم استاد اور مدرسہ کا مرہون منت ہے اور استاد و مدرسہ کا علم بہرحال ظاہری معانی تک ہی محدود رہتا ہے۔ اہلبیت طاہرینؑ وہ افراد ہیں جنھیں پروردگار عالم نے الہام و القاء کے ذریعہ حقائق و معارف سے آگاہ کیا ہے اور وہ مراد الٰہی سے باخبر ہیں لہٰذا ان کے بیان کردہ معانی میں تضاد اور اختلاف

کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اسحاق کندی مرگیا لیکن اس کے بعد بھی ہر دور میں کندی پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے اور جب تک دنیا میں کندیوں کی پیداوار کا سلسلہ جاری رہے گا امت اسلامیہ اہلبیت طاہرینؑ کی تفسیر و تشریح سے بے نیاز نہیں ہوسکتی ہے اور اہلبیت طاہرینؑ کی ضرورت کا احساس بہرحال باقی رہے گا۔

کرامات

جعفر بن شریف جرجانی کا بیان ہے کہ میں حج بیت اللہ کے بعد حضرت کی خدمت میں سامرہ میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی کہ اہل جرجان آپ کی زیارت کے مشتاق ہیں کبھی ان چاہنے والوں کو بھی اپنی زیارت سے مشرف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ۱۷۰ دن کے بعد بروز جمعہ ۳ ربیع الثانی کو وطن پہونچو گے اور اسی دن میں بھی پہونچوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جعفر کے اعلان کے تھوڑی دیر بعد بلا وہم و گمان حضرت کا نزول اجلال ہوگیا اور امامت کی معرفت اور کرامت دونوں کا بیک وقت اظہار ہوگیا۔ بلکہ ایک شخص نضر بن جابر نے اپنے نابینا فرزند کی بینائی کے بارے میں دعا کی درخواست کی تو آپ نے آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر اسے بینا بنا دیا اور پھر اسی روز واپس بھی تشریف لے گئے۔ (کشف الغمہ)

- ایک شخص نے آپ کو بغیر روشنائی کے خط لکھا تو آپ نے بھی اسی انداز سے خط کا جواب لکھ دیا اور لکھنے والے کا نام اور ولدیت کا بھی تذکرہ فرما دیا جس کے بعد وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکا۔ (دمعہ ساکبہ)
- ابو ہاشم کا بیان ہے کہ حضرت صحرا کی طرف تشریف لے جا رہے تھے تو میں بھی ساتھ چل دیا۔ راستہ میں خیال پیدا ہوا کہ میرے ذمہ جو قرض ہے اس کا وقت پورا ہو چکا ہے۔ اب میں کس طرح ادا کروں گا تو اچانک حضرتؑ نے جھک کر زمین پر ایک نشان لگا دیا اور فرمایا کہ ابو ہاشم اسے اٹھا لو اور قرض ادا کر دو۔ ابو ہاشم نے دیکھا کہ سونا ہے اور اسے حسب الحکم محفوظ کر لیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد پھر خیال پیدا ہوا کہ سردی قریب آگئی ہے، سردی کے کپڑے وغیرہ کا کیا ہوگا۔ تو آپ نے دوبارہ زمین پر تازیانہ مارا اور فرمایا کہ اسے بھی اٹھا لو۔ ابو ہاشم نے وہ سونا بھی لے لیا اور گھر آکر

حساب کیا تو پہلے کی مقدار بالکل قرض کے برابر تھی اور دوسرے کی مقدار بالکل ضروریات کے برابر تھی۔

● ایک مرتبہ ابوہاشم سے واضح طور پر فرمایا کہ اپنی ضروریات بیان کرنے میں تکلف سے کام نہ لیا کرو۔ ہم بحکم پروردگار انھیں پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ چاہنے والوں کے ضروریات کا خیال رکھیں۔

● اسماعیل بن محمد بن علی بن اسماعیل بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب کہتے ہیں کہ میں سرِ راہ بیٹھا تھا کہ امام حسن عسکریؑ کا گذر ہوگیا اور میں نے اپنی غربت کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا کہ دوسو اشرفی دفینہ کرکے بھی غربت کا نام لیتے ہو۔ میں نے انکار کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ تو فرمایا جھوٹ مت بولو۔ میں تمھیں سو دینار دیے دیتا ہوں لیکن وہ دوسو تمھارے کام نہ آئیں گے۔ چنانچہ آپ نے سو دینار دے دیے اور انھوں نے لے لیے۔ اس کے بعد ایک عرصہ کے بعد جب پیسہ کی ضرورت ہوئی اور دفینہ نکالنے گئے، تو اس میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اور بعد میں انکشاف ہوا کہ ان کے لڑکے کو اس دفینہ کا علم ہوگیا تھا اور اس نے نکال لیا تھا۔ اور اس طرح امام علیہ السلام کی کرامت کا بھی اظہار ہوگیا۔

● تاریخ اسلام میں ایک نمایاں شخصیت ام خانم کی ہے جسے صاحبۃ الحصاۃ کہا جاتا ہے۔ ان خاتون کا طریقہ تھا کہ ائمہ معصومینؑ کی خدمت میں حاضر ہوکر ان سے امامت کا ثبوت طلب کیا کرتی تھیں اور سنگ ریزوں پر مہر لگوالیا کرتی تھیں اور یہی اس امام کی امامت کا ثبوت ہوا کرتا تھا۔ امام حسن عسکریؑ کے دور میں ان کا انتقال ہوچکا تھا تو ان کے ایک فرزند مجمع بن الصلت بن عقبہ بن سمعان بن خانم بن ام خانم نے امام عسکریؑ کو تلاش کرنا شروع کیا کہ ان سے ثبوت امامت حاصل کریں۔ اتفاق سے امامؑ کی نظر اس شخص پر پڑگئی تو آپ نے فرمایا کہ لاؤ سنگ ریزے لاؤ تاکہ میں امامت کی مہر لگادوں۔ مجمع بن الصلت حیران رہ گئے کہ انھیں دل کے حالات کا کس طرح علم ہوگیا اور پھر مہر لگواکر اپنے دل کو مطمئن کرلیا۔ (اصول کافی۔ شواہد النبوۃ)

● ایک مرتبہ آپ کے دور میں قحط پڑا اور مسلمان بے حد پریشان ہوئے اور سب نے نماز استسقاء پڑھی اور دعائیں بھی کیں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک عیسائی راہب میدان میں آیا اور اس نے

دعا شروع کی۔ دعا کے لیے ہاتھوں کا اٹھانا تھا کہ بارش شروع ہوگئی اور سارے مسلمان حیرت میں پڑگئے، اور بہت سے افراد کا ایمان متزلزل ہوگیا کہ حق اس راہب کے ساتھ ہے۔ دوسرے روز پھر ایسا ہی ہوا تو لوگوں کا اعتماد راہب پر مزید بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ اس گمراہی کی خبر امام حسن عسکریؑ کو دی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ جب سب میدان میں جمع ہوجائیں تو مجھے طلب کرلینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جیسے ہی راہب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ آپ نے اس کی انگلیوں کے درمیان دبی ہوئی استخوان کو نکال لیا اور آئے ہوئے بادل واپس ہوگئے۔ مجمع حیرت زدہ رہ گیا کہ یہ کیا ہوا اور راہب بھی شرمندہ ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بارانِ رحمت راہب کی دعا کا اثر نہیں ہے۔ اس کے پاس ایک نبی خدا کی ہڈی ہے جس کی کرامت یہ ہے کہ جب زیر آسمان کھل جاتی ہے تو رحمت الٰہی کو جوش آجاتا ہے۔ اس کے بعد راہب زندگی بھر دعا کرے تو اس کی دعا سے بارش نہیں ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت نے دعا کی اور باقاعدہ بارش ہوگئی جس کے ذریعہ امت اسلامیہ کو حضرت کے کمال علم کا بھی اندازہ ہوگیا اور کمال کرامت کا بھی۔ (صواعق محرقہ)

● یہ واقعہ امام علیہ السلام کے لیے نہایت سنگین نتائج کا حامل ہوگیا کہ حکومت وقت نے محسوس کرلیا کہ دنیا کو ان کی کرامت کا علم ہوگیا ہے اور اب ان کے ہوتے ہوئے اپنی حکومت کامیاب نہیں ہوسکتی ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا ردعمل یہ ہوا کہ آپ کو قید خانہ کے حوالے کردیا گیا اور داروغہ زندان کو یہ ہدایت کردی گئی کہ جس قدر ممکن ہو آپ کو اذیت دی جائے اور اسی اذیت کا اثر تھا کہ آپ ۲۸ سال سے زیادہ اس دار دنیا میں نہ رہ سکے اور سنہ ۲۶۰ھ میں زہر دغا کے زیر اثر دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رخصت ہوگئے۔

اقوال حکیمانہ

● "لوگوں سے بے جا بحث مت کرو کہ تمھاری آبرو ختم ہوجائے گی۔ اور زیادہ مذاق نہ کرو کہ لوگوں کو تم سے بات کرنے کی جرأت پیدا ہوجائے گی۔"

(یہ ایک عجیب و غریب نفسیاتی نکتہ ہے جس کا صبح و شام مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ زیادہ مزاح کرنے والے انسان کی کوئی ہیبت نہیں رہ جاتی ہے اور ہر شخص اس کا جواب دینے کی جرأت پیدا کرلیتا

ہے اور یہی حال جھگڑا کرنے والے کا ہوتا ہے کہ پھر اس کا حُسن و جمال ختم ہوجاتا ہے اور وہ لوگوں کی نگاہ میں بے قیمت ہوجاتا ہے۔)

● "تواضع کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ جس شخص کے پاس سے گذرو اسے سلام کرو اور کسی مجلس میں جاؤ تو بلند ترین جگہ تلاش کرنے کے بجائے اس سے کمتر جگہ پر بیٹھنے کے لیے تیار ہوجاؤ۔"

(یہ انتہائی عظیم نکتہ ہے جس سے بڑے سے بڑے غرور اور تکبّر کا علاج کیا جاسکتا ہے اور اگر انسان اپنے نفس کی اصلاح کی طرف مائل ہو اور اپنے نفسانی حالات کو درست کرنا چاہتا ہو تو اس سے بہتر طریقۂ کار نہیں ہوسکتا ہے۔)

● "محتاط ترین انسان وہ ہے جو مشتبہ مقامات پر رُک جائے، اور عابد ترین انسان وہ ہے جو فرائض کی پابندی کرے، اور زاہد ترین انسان وہ ہے جو حرام کو ترک کردے، اور سخت ترین جہاد کرنے والا وہ ہے جو تمام گناہوں کو ترک کردے۔"

● "احمق کا دل اس کی زبان میں ہوتا ہے اور حکیم کی زبان اس کے دل میں ہوتی ہے۔"

(یعنی احمق انسان سوچنے سے پہلے ہی بولنا شروع کردیتا ہے اور اس طرح زبان آگے آجاتی ہے اور دل پیچھے رہ جاتا ہے۔ اور صاحب حکمت پہلے فکر کرتا ہے اس کے بعد زبان کھولتا ہے تو گویا اس کی زبان بھی دل کے اندر رہتی ہے اور دل کا دریچہ کھولے بغیر کلام کرنے کی طاقت نہیں ہوپاتی ہے۔)

● "جس رزق کی ضمانت دے دی گئی ہے وہ تمھیں اس عمل سے نہ روک دے جو تم پر فرض کردیا گیا ہے۔"

(انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ اپنے فرائض سے غافل ہوجاتا ہے جن کا ادا کرنا اس کی اپنی ذمہ داری ہے اور سارا وقت رزق کی جستجو میں صَرف کردیتا ہے جس کی ضمانت پروردگار عالم نے لے لی ہے اور وہ بہرحال عطا کرنے والا ہے۔)

● "کسی غم رسیدہ کے سامنے خوشی کا اظہار کرنا ادب و تہذیب کے خلاف ہے۔"

(یہ بھی ایک اخلاقی نکتہ ہونے کے علاوہ ایک درد دل کا اظہار بھی ہے جس کا احساس اسی انسان کو ہوسکتا ہے جو ایسے حالات سے گذر رہا ہو جہاں اس پر مصائب کا ہجوم ہو اور دنیا

اس کے غم میں ہمدردی کرنے کے بجائے تفریحات میں مشغول ہو۔)

● "جاہل انسان کی تربیت کرنا اور کسی صاحب عادت کو اس کی عادت سے باز رکھنا کسی معجزہ سے کم نہیں ہے۔"

(اس حقیقت کا اندازہ بھی اسی انسان کو ہوسکتا ہے جس کے فرائض میں جاہل قوم کی تربیت اور بدترین عادات میں مبتلا انسانیت کو ان عادات سے الگ کرنے کی ذمہ داری شامل ہو۔ وہی یہ جانتا ہے کہ معجزہ میں کس قدر زحمت ہوتی ہے اور اس اخلاقی تربیت میں کن زحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔)

● "کسی شخص کا احترام اُس بات کے ذریعہ نہ کرو جو اس کے لیے باعث زحمت ہو۔"

(اس نکتہ کا اندازہ بھی اس وقت ہوتا ہے جب مومنین کرام کسی بڑی شخصیت کا جلوس نکالنا چاہتے ہیں یا اس کی محفل میں مستقل طور پر قیام پذیر ہوجاتے ہیں اور اسے سانس لینے کا موقع نہیں دیتے ہیں اور اسے انتہائے احترام کا درجہ دیتے ہیں بلکہ بعض مقامات پر تو یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ عالم دین کے احترام میں اسے بہ شکل جلوس میلوں پیدل چلا دیتے ہیں اور اسے بھی انتہائی احترام ہی سمجھتے ہیں۔ امام حسن عسکریؑ نے ایسے ہی احترامات سے منع فرمایا ہے کہ احترام وہ ہے جو باعثِ آرام ہو نہ کہ باعثِ اذیت و آزار ہو۔)

● "جس شخص نے اپنے برادر مومن کو تنہائی میں نصیحت کی اس نے اسے آراستہ بنانے کی کوشش کی اور جس نے مجمع عام میں نصیحت کی اس نے اسے عیب دار بنا دیا۔"

(نصیحت ایک بہترین عمل ہے لیکن اس کے اسالیب و انداز اور نتائج پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ مجمع عام میں نصیحت لوگوں کو اس کے عیب سے باخبر کردے اور اس طرح اصلاح کے بجائے اس کی توہین و تذلیل کا سامان فراہم ہوجائے۔)

● "جو اللہ سے مانوس ہوجاتا ہے وہ لوگوں سے وحشت محسوس کرتا ہے۔"

(انسان کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ انسانوں سے اس قدر مانوس ہوجاتا ہے کہ مصلّیٰ پر خدا کی بارگاہ میں کھڑے ہونے سے وحشت محسوس کرتا ہے اور لوگوں کی گفتگو کے مقابلہ میں کلام خدا کی تلاوت سے وحشت محسوس کرتا ہے۔ امام عسکریؑ نے اسی نکتہ کی طرف توجہ

دلائی ہے کہ لوگوں سے مانوس ہو کر خدا سے وحشت کرنے کے بجائے خدا سے انس پیدا کرو تاکہ اس کے مقابلہ میں ان انسانوں سے وحشت پیدا ہو جن کا خدا سے کوئی رابطہ نہیں ہے اور جن کی یاد، یادِ خدا سے غافل بنا دیتی ہے۔ انس ہو تو ایسے انسانوں سے ہو جو خود بھی خدا کو یاد کرلیتے ہوں اور ان سے اُنس یادِ خدا کا بہترین ذریعہ ہو۔)

● "ہر شے کی ایک مقدار اور حد معین ہے جس سے زیادتی نقصان دہ ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر جود و کرم کی ایک حد ہے جس سے بڑھ جانے کے بعد انسان اسراف کی حدوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور احتیاط کی بھی ایک حد معین ہے جس سے تجاوز کر جانے کے بعد بزدلی شروع ہو جاتی ہے۔ اور اقتصاد و اعتدال کی بھی ایک حد ہے جس کی زیادتی بخیل بنا دیتی ہے اور شجاعت کی بھی ایک مقدار ہے جس کی زیادتی تہور اور بے باکی پیدا کر دیتی ہے اور تہذیب نفس کا سب سے بہترین ذریعہ یہ ہے کہ جس چیز کو دوسرے کے لیے ناپسند کرے اسے اپنے لیے بھی ناپسندیدہ ہی قرار دے۔"

● "مومن کے کمال ایمان کی پانچ علامتیں ہیں: (۱) بلند آواز سے بسم اللہ کہے (۲) خاک پر سجدہ کرے (۳) داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے (۴) دن رات میں ۵۱ رکعت نماز ادا کرے (۵) روز اربعین امام حسینؑ کی زیارت پڑھے۔"

اس روایت میں ان امور کا ذکر کیا گیا ہے جنھیں عام طور سے امت اسلامیہ نے نظر انداز کر دیا ہے اور ان میں کوئی نہ کوئی تحریف ضرور کر دی ہے ورنہ ایمان کی علامتیں اس کے علاوہ بھی ہیں اور بہت سی ہیں جیسا کہ خود امام حسن عسکریؑ کی دوسری روایت میں پانچ مزید چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

ان علامات کے بارے میں مختصر گذارش یہ ہے کہ عالم اسلام نے بسم اللہ کے بارے میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کر دیے ہیں۔ ایک اختلاف یہ ہے کہ بسم اللہ کوئی آیت ہے یا نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ اگر آیت ہے تو صرف سورۂ حمد کا جزء ہے یا باقی سوروں کے جزء کی بھی حیثیت رکھتی ہے۔

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ سورہ کا جزء ہے تو سورہ ہی کی طرح بلند آواز سے پڑھی جائے یا اسے خاص طریقہ سے آہستہ پڑھا جائے۔

ائمہ طاہرینؑ کا مسلک یہ ہے کہ بسم اللہ قرآن مجید کی ایک آیت ہے اور یہ ہر سورہ کا ایک جزء ہے (سورۂ توبہ کے علاوہ) اور اس کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مستحب ہے چاہے نماز اخفاتی ہی کیوں نہ ہو اور اصل سورہ کو آہستہ ہی پڑھا جا رہا ہو اور یہ طریقہ دورِ پیغمبر اسلامؐ سے رائج تھا اور یہی وجہ ہے کہ جب معاویہ نے بسم اللہ کی تلاوت نہیں کی تو مجمع میں ایک شور برپا ہو گیا کہ اس نے ایک آیت کی چوری کی ہے اور اسے غائب کر دیا ہے۔

خاک پر سجدہ کرنے کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے کہ اگرچہ سجدہ خاک اور خاک سے اُگنے والی چیزوں پر ہو سکتا ہے اگر اسے کھانے اور پہننے میں استعمال نہ کیا جاتا ہو لیکن خاک کی فضیلت بہرحال اپنے مقام پر مسلم ہے اور اس میں خاک کربلا کی افضلیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ خاک پر سجدہ کرنا خاکساری کی علامت ہے اور خاک کربلا پر سجدہ کرنا بندگی کے استحکام کا ذریعہ ہے کہ یہ راہ عبودیت میں قربانی کی سب سے بڑی قربان گاہ ہے اور اس خاک میں وہ تمام یادیں جذب ہیں جو یادِ خدا کا بہترین ذریعہ ہیں۔

انگوٹھی کے بارے میں عالم اسلام میں اس کے پہننے کا استحباب تو موجود ہے لیکن بعض علماء اسلام نے اسے بائیں ہاتھ میں پہننے پر زور دیا ہے کہ داہنے ہاتھ میں پہننا شیعوں نے اپنا شعار اور طریقہ بنا لیا ہے تو اس کی مخالفت ضروری ہے، اگرچہ یہی طریقہ سنت پیغمبرؐ کے مطابق بھی ہے لیکن اس سنت کا ترک کر دینا بھی ضروری ہے کہ اس طرح دیگر اقوام اور مذاہب سے مشابہت نہ ہونے پائے۔

امام حسن عسکریؑ نے صاحبانِ ایمان کو اسی نکتہ کی طرف متوجہ کیا کہ اگر دوسرے مذاہب کے لوگ صرف تمھاری ضد میں سیرتِ پیغمبرؐ کو ترک کر سکتے ہیں تو تمھارا بھی فرض ہے کہ تم سیرتِ پیغمبرؐ کا مکمل اتباع کرتے رہو اور اسی کو اپنا شعار بنائے رہو تاکہ سیرتِ پیغمبرؐ پر عمل کرنے والے اور سیرت سے اجتناب کرنے والے افراد کا فرق واضح ہو جائے اور حقیقی ایمان اور دعوائے ایمان و اسلام الگ الگ ہو جائے۔

انگوٹھی کے بارے میں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ ائمہ طاہرینؑ نے انگشتری کے ساتھ اس کے

نگینہ کے نقش کو بھی خاصی اہمیت دی ہے اور روایات میں ہر امام کی انگشتری کے نقش کا تذکرہ بھی موجود ہے جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام نے اسے بھی تبلیغ مذہب کا ایک ذریعہ بنا لیا تھا اور ہر امامؑ نے وہی نقش اختیار کیا تھا جو اس دور کے لیے مناسب اور اس کے مقصد کی تکمیل کے لیے ضروری تھا جس کے تفصیلات کا اندازہ ہر امامؑ کے نقش انگشتری پر تحقیقی نظر ڈالنے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

۵۱ رکعت نماز سے مراد ۱۷ رکعت فرض اور ۳۴ رکعت نوافل ہیں جنھیں فرائض کی تکمیل اور بندگی کی معراج کے لیے مستحب قرار دیا گیا ہے۔

روز اربعین زیارت امام حسینؑ میں سیرت امام سجادؑ کا اتباع بھی ہے اور بنی امیہ کے خلاف ایک احتجاج بھی ہے کہ بنی امیہ کے مظالم نے اہلِ حرم حسینی کو امام حسینؑ کا چہلم بھی نہیں کرنے دیا اور سال تمام ہونے کے بعد جب انھیں قید شام سے رہا کیا گیا تو روز اربعین کربلا آکر امام حسینؑ کی زیارت سے مشرف ہوئے اور گویا کہ پہلی مرتبہ وارثوں نے اپنے شہیدوں کی قبروں کا مشاہدہ کیا جب کہ ان کی شہادت کو ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کو دیکھنے کے بعد اس حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امام حسن عسکریؑ نے ایمان کامل کی علامتوں میں واجبات کا شمار نہیں کیا ہے بلکہ صرف مستحبات کا تذکرہ کیا ہے جو اس بات کی کھلی علامت ہے کہ واجبات کا تعلق کمال اسلام سے ہے اور مستحبات کا تعلق کمالِ ایمان سے ہے۔ مومن کامل وہ نہیں ہے جو فرائض اور واجبات سے غافل ہو جائے، بلکہ مومن کامل وہ ہے جو واجبات کے ساتھ مستحبات کا بھی خیال رکھے اور ان مستحبات کو بھی اپنے روزانہ اور سالانہ پروگرام میں شامل رکھے۔ زبان کے اعتبار سے بلند آواز سے بسم اللہ کہے، پیشانی کے اعتبار سے خاک پر سجدہ کرے، ہاتھ کے اعتبار سے داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے، یومیہ عمل کے اعتبار سے ۵۱ رکعت نماز ادا کرے اور سالانہ عمل کے اعتبار سے زیارت اربعین کی پابندی کرے۔

شہادت

یوں تو ائمہ معصومینؑ کی زندگیاں ہمیشہ حکام وقت کی طرف سے مصائب و مظالم کا نشانہ

رہی ہیں اور شائد ہی کوئی ایسا حاکم رہا ہو جس نے اپنی حکومت کا ایک اہم مقصد آل محمدؐ پر ظلم و ستم کو نہ قرار دیا ہو لیکن امام حسن عسکریؑ کی زندگی ایک عجیب و غریب مصیبت کا نشانہ رہی ہے جس کی مثال دیگر معصومینؑ کی زندگیوں میں بھی نہیں ملتی ہے اور اس کا اہم ترین راز یہ ہے کہ عالم اسلام نے دور پیغمبر اسلامؐ سے یہ بات سُن رکھی تھی کہ میرا بارہواں وارث وہ حجت پروردگار ہوگا جو ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو عدل و انصاف سے معمور کرے گا اور دنیا کے ہر نظام ظلم کا تختہ اُلٹ دے گا۔ اس بنا پر حکام وقت ہر دور میں اس نکتہ کی طرف متوجہ رہے کہ وہ مہدی دوراں منظر عام پر نہ آنے پائے ـــ امام حسن عسکریؑ کے دَور تک یہ اطمینان تھا کہ مہدی اولاد حسینؑ کا نواں ہوگا ـــ اور ابھی اولاد حسینؑ کے آٹھ افراد پورے نہیں ہوئے ہیں لیکن امام عسکریؑ کا دَور آنے تک ہر صاحب علم و خبر کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اب وجود مہدی کا دَور قریب آگیا ہے اور وہ انھیں کی اِولاد میں ہوگا چنانچہ امام عسکریؑ کی خصوصی نگرانی شروع ہو گئی اور آپ کے گھر کے ساتھ وہی سلوک طے کر لیا گیا جو فرعون نے بنی اسرائیل کے ساتھ روا رکھا تھا۔ صرف اس خوف سے کہ وہ فرزند دنیا میں آنے پائے جو فرعون کے تخت و تاج کو تباہ و برباد کر دے گا۔

حکام زمانہ کا اب تک یہ طریقہ کار تھا کہ ائمہ طاہرینؑ کو قید خانوں میں رکھتے تھے اور اگر قوم میں بغاوت کا خطرہ پیدا ہو گیا یا نگران قید خانہ حکومت کے خیال میں کردار معصومینؑ سے متاثر ہو کر منحرف ہونے لگا تو امامؑ کو گھر میں نظر بند کر دیا لیکن امام عسکریؑ کے ساتھ برتاؤ میں حکام کی پریشانی یہ بھی تھی کہ قید خانہ میں رکھیں تو وہی حشر ہوگا کہ تمام نگرانِ زندان امامؑ کے کردار سے متاثر ہو جائیں گے اور تقریباً سب ہی نے ظلم و ستم سے انکار بھی کر دیا۔ اس کے بعد گھر میں نظر بند کرنا چاہیں تو یہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ اس طرح وہ آخری حجت پروردگار منظر عام پر آجائے گا جس سے اپنے تخت و تاج کو خطرہ ہے۔ چنانچہ ابتدا میں آپ کو قید خانہ میں رکھا گیا اور داروغہ زنداں کو خصوصی ہدایت دی گئی کہ امام علیہ السلام کو زیادہ سے زیادہ اذیت دے لیکن جب دیکھ لیا کہ اس تاکید کا کوئی اثر نہیں ہو رہا ہے تو اپنے قصر کے ایک گوشہ میں نظر بند کر دیا تاکہ اپنی نگرانی میں رہیں اور لوگوں میں کوئی حیثیت نہ پیدا کرنے پائیں لیکن جب یہ احساس پیدا ہوا کہ اس طرح قصر کے نگراں سپاہیوں کے بھی گرویدہ ہو جانے کا خطرہ ہے تو مجبور ہو کر حضرت کو ان کے گھر میں نظر بند کر دیا گیا، اور

اس طرح خدائے موسیٰ نے ایک اور موسیٰ کی ولادت کا انتظام کر دیا اور ماہ شعبان کی پندرہویں تاریخ ۲۵۵ھ کو وہ حجت پروردگار اس دنیا میں آگیا جس کی خبر دورِ پیغمبر اسلامؐ سے برابر دی جا رہی تھی اور جس کا انتظار ہر دور کے مظلومین اور مستضعفین کر رہے تھے اور اس طرح ظالم حکومتوں کے لیے وہ خطرہ منظر عام پر آگیا جس کے تصور سے راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔

امام حسن عسکریؑ کے کردار کے بارے میں علامہ مجلسیؒ نے نہایت تفصیل کے ساتھ احمد بن عبید اللہ بن خاقان کا بیان نقل کیا ہے جو قم میں خلفاء اسلام کی طرف سے والیٔ اوقاف وصدقات تھا اور انتہائی درجہ کا دشمن اہلبیتؑ تھا۔ اس کا اپنا بیان ہے کہ میں نے سامرہ میں حسن عسکریؑ سے زیادہ مومن، متقی، صالح، پاکباز اور مقدس انسان نہیں دیکھا۔ میرے والد کا طریقہ تھا کہ جب وہ دربار میں آجاتے تھے تو نہایت احترام سے انھیں صدر مجلس میں جگہ دیتے تھے اور یا ابن الرضا کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ ان کی نگاہ میں حسن عسکریؑ کا مرتبہ خلفاء اسلام سے بھی زیادہ بلند تھا۔ چنانچہ ایک دن میں نے تنہائی میں اعتراض کیا تو فرمایا کہ فرزند اس سے بہتر کوئی انسان دنیا میں نہیں ہے اور خلافت بنی عباس سے نکل سکتی تو اس کے علاوہ کوئی اس کا حق دار نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک دن ان کی موجودگی میں خلیفہ وقت آگیا تو جب تک انھیں دوسرے دروازہ سے رخصت نہیں کر دیا خلیفہ کی طرف توجہ بھی نہیں کی اور اس کا استقبال بھی نہیں کیا۔

میں نے ایک دن اتنا کہہ دیا کہ اگر یہ اولاد رسولؐ میں ہیں تو ان کے بھائی جعفر بھی تو ایسے ہی ہیں، ان کا اس قدر احترام کیوں نہیں کیا جاتا؟ تو میرے والد نے بگڑ کر کہا کہ خبردار! ان کے ساتھ جعفر کا نام بھی نہ لینا وہ ایک انتہائی بدکردار شخص ہے اور یہ ایک انتہائی مقدس اور پاکیزہ کردار شخصیت کے مالک ہیں۔ ان کا جعفر سے کیا مقابلہ ہو سکتا ہے۔

خلفاء اسلام کو انھیں حالات سے پریشانی تھی یہاں تک کہ معتمد نے آپ کو زہر دلوا دیا اور جب یہ خبر عام ہوئی کہ امام علیہ السلام کی حالت غیر ہو رہی ہے تو فوراً اطبا کو علاج کے لیے طلب کر لیا اور زعمار مملکت کے ساتھ دس عدد علماء بھی جمع کر لیے جو اس بات کی شہادت دیں گے کہ یہ طبیعی بیماری کے اعتبار سے مریض ہیں اور انھیں زہر نہیں دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے گواہی دے دی اور اس وقت تک وہاں حاضر رہے جب تک امامؑ کی شہادت نہیں واقع ہو گئی، اور

چونکہ آپ کے گھر میں صرف آپ کا غلام عقید اور آپ کی زوجہ جناب صیقل تھیں لہٰذا ان کا بھی شدت سے محاسبہ ہونے لگا کہ کہیں وہ فرزند نہ پیدا ہو جائے جو تخت و تاج کو منقلب کرنے والا ہو۔ اور اس بات کی کسی کو اطلاع بھی نہ تھی کہ وہ حجت پروردگار چار برس پہلے ہی اس دنیا میں آچکا ہے۔

امامؑ کے انتقال کے بعد جنازہ تیار ہوا اور بظاہر نماز جنازہ بھی ادا کر دی گئی لیکن وارث کی تلاش برابر جاری رہی، یہاں تک کہ جعفر نے وراثت کا دعویٰ کیا اور میرے باپ کو دو لاکھ دینار رشوت دینے کا بھی وعدہ کیا۔ لیکن انھوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ امامت دولت سے نہیں ملا کرتی ہے اس کے لیے کردار ضروری ہوا کرتا ہے۔

● ابوالادیان کا بیان ہے کہ میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا اور آپ کے خطوط لوگوں تک پہونچایا کرتا تھا۔ جب آپ نے آخری مرتبہ خطوط دیے تو فرمایا کہ پندرہ دن کے بعد تم مدائن سے واپس آؤ گے تو اس گھر سے نالہ و شیون کی آوازیں بلند ہوں گی۔ میں نے عرض کی کہ آپ کا وارث کون ہوگا۔ فرمایا کہ جو خطوط کے جوابات طلب کرلے اور میری نماز جنازہ ادا کرے اور تم سے تھیلی کا مطالبہ کرے۔

میں خطوط لے کر رخصت ہو گیا اور پندرہ دن کے بعد واپس آیا تو معلوم ہوا کہ امام عسکریؑ کا انتقال ہو گیا ہے۔ در دولت کے قریب پہونچا تو دیکھا کہ جعفر وارث بنے بیٹھے ہیں اور لوگوں سے پرسہ قبول کر رہے ہیں۔ میں ان کے کردار سے بخوبی واقف تھا لہٰذا مجھے ان کی امامت کا خیال بھی نہیں پیدا ہوا۔ یہاں تک کہ جب جنازہ تیار ہو گیا اور وہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک کمسن فرزند نے ان کا دامن کھینچ کر پیچھے ہٹا دیا اور نماز جنازہ خود ادا کی اور پھر مجھ سے خطوط کے جوابات کا تقاضا کیا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ اب زمانہ کے امام یہی ہیں۔ لیکن ابھی ایک علامت باقی رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد خادم نے آکر کہا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ تمھارے پاس ایک تھیلی بھی ہے جس میں ہزار اشرفیاں ہیں اور ان میں سے دس پر صرف سونے کا ملمع ہے۔ میں نے فوراً طے کر لیا کہ امام حسن عسکریؑ کے وارث یہی ہیں اور ساری امانتیں ان کے حوالے کر دیں لیکن جعفر نے یہ صورت حال دیکھ کر معتمد کو خبر کر دی اور اس نے آپ کی اہلیہ محترمہ کو سخت نگرانی میں رکھا کہ اس فرزند کا پتہ بتائیں جو امام عسکریؑ کا وارث ہے اور چند سال قبل دنیا میں آچکا ہے۔

منزلِ اتمام تک پہونچانے والا ہے چاہے مشرکین کو کسی قدر ناگوار کیوں نہ ہو۔

آپ کی سیرت کے ذیل میں اولادِ رسولؐ کے احترام کے سلسلہ میں تاریخ قم میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ ابوالحسن حسین بن حسن بن جعفر بن محمد بن اسماعیل بن جعفر الصادقؑ جو قم میں شراب خوری اور بداعمالیوں میں خاصی شہرت رکھتے تھے ایک مرتبہ کسی ضرورت سے احمد بن اسحاق اشعری کے پاس آئے جو قم میں وکیل اوقاف تھے اور ان سے کمک کا مطالبہ کرنا چاہا تو احمد بن اسحاق نے ان کے کردار کے پیش نظر ملاقات سے انکار کر دیا۔ اتفاق سے اسی سال احمد بن اسحاق نے حج کا ارادہ کیا اور ان کا گذر سامرہ سے ہوا۔ امام حسن عسکریؑ کی زیارت کے اشتیاق میں بیت الشرف کے دروازہ پر حاضر ہوئے، اذن باریابی طلب کیا تو حضرت نے انکار فرما دیا۔ انھوں نے بے حد گریہ کیا اور بہ مشکل تمام اجازت حاصل ہوئی اور عرض کی کہ سرکار آپ کی ناراضگی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ تم نے ایک سید کو اپنے یہاں داخلہ کی اجازت نہیں دی ہے۔ احمد بن اسحاق نے عرض کی کہ سرکار وہ شرابی آدمی ہے، میں نے اس کے کردار کی بنا پر انکار کر دیا تھا۔ فرمایا کچھ بھی ہو تمھیں نسب سیادت کا احترام کرنا چاہیے تھا۔ احمد بن اسحاق نے معذرت کی اور اب جو وطن واپس آئے اور تمام لوگوں کے ساتھ حسین بن حسن بھی ملاقات کے لیے آئے تو سرو قد کھڑے ہوکر تعظیم کی۔ حسین نے حیرت زدہ ہوکر اس تعظیم کا سبب دریافت کیا۔ احمد نے کہا کہ یہ امام حسن عسکریؑ کا حکم ہے کہ اولادِ رسولؐ کا اس رشتہ کی بنا پر احترام کیا جائے چاہے ان کا کردار کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ بہرحال رسول اکرمؐ کی طرف نسبت رکھتے ہیں۔ یہ سُننا تھا کہ حسین نے سر پیٹ لیا اور توبہ و استغفار کرکے تمام جام شراب توڑ کر پھینک دیے اور مسجد میں مستقل طور پر معتکف ہو گئے اور اسی عبادتِ الٰہی کے عالم میں انتقال کر گئے۔

ایسے واقعات سے اکثر افراد کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید نسب سیادت قانون شریعت سے بالاتر کوئی چیز ہے۔ اور سادات کی خاطر ان کے جد کی شریعت کو بھی پامال کیا جاسکتا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ واقعہ کی نوعیت خود ہی بتا رہی ہے کہ یہ ایک خصوصی واقعہ ہے جس میں امام حسن عسکریؑ کو یہ معلوم تھا کہ اس احترام کے بعد حسین بن حسن راہ راست پر آجائیں گے اور شراب خوری کو ترک کر دیں گے، اسی لیے آپ نے نسبت رسول اکرمؐ پر زیادہ زور دیا اور اسی نسبت کے احساس نے

حسین بن حسن میں انقلاب پیدا کر دیا۔

تو اس کا مطلب یہ تھا کہ عام افراد کا فرض ہے کہ وہ نسبتِ رسول اکرمؐ کی بنا پر سادات کا احترام کریں ــــ اور خود سادات کا فرض ہے کہ اپنی مقدس نسبت کا لحاظ کرکے کوئی ایسا کام نہ کریں جو اس نسبت کے شایانِ شان نہ ہو اور رسول اکرمؐ کے لیے باعثِ توہین یا سبب بدنامی ہو۔

اصحاب امام حسن عسکریؑ

۱۔ ابوعلی احمد بن اسحاق بن عبداللہ بن سعد بن مالک الاحوص الاشعری۔

انتہائی موثق اور معتبر انسان تھے۔ امام جوادؑ، امام ہادیؑ اور امام عسکریؑ کے اصحاب میں تھے۔ ان کے خاندان میں نہایت اعلیٰ درجہ کے محدث اور علماء پیدا ہوئے ہیں، خود ان کے بارے میں بھی امام نے کافی تعریف فرمائی ہے۔ یہ امامؑ کے سفیر اور وکیل بھی تھے اور انھیں امام زمانہؑ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

انھوں نے امام حسن عسکریؑ سے پارچہ کفن کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ گھبراؤ نہیں تمھیں مل جائے گا۔ چنانچہ کرمانشاہ کے راستہ میں جب انتقال کیا تو امامؑ نے اپنے خادم کافور کو کفن دیکر بھیجا اور اسے طی الارض کے ذریعہ وہاں پہونچا دیا جہاں اس نے عالم مسافرت میں کفن دیا اور اس کے بعد ساتھیوں نے نماز جنازہ ادا کرکے دفن کر دیا۔

۲۔ احمد بن محمد بن مطہر

انھیں امام عسکریؑ کا صاحب کہا جاتا ہے جو عام اصحاب اور تلامذہ سے بلند تر مرتبہ ہے اور ایک طرح کے مدارالمہام کا مرتبہ ہے۔ چنانچہ امام عسکریؑ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنی والدہ گرامی کو حج کے لیے روانہ کیا تو احمد بن محمد کو سفر کا نگراں قرار دیا ــــ اور فرمایا کہ اگر پیاس کے خوف سے لوگ واپس بھی ہو جائیں تو تم اپنے سفر کو جاری رکھنا انشاء اللہ کوئی خوف کی بات نہیں ہے۔

۴۔ ابو سہل اسماعیل بن علی بن اسحاق بن ابی سہل بن نوبخت۔

بغداد کے بزرگ ترین علماء علم کلام میں سے تھے اور ایک طرح کی وزارت کے منصب کے مالک تھے، مختلف کتابوں کے مولف بھی ہیں جن میں کتاب "الانوار فی تاریخ الائمہ الاطہارؑ" خاصی شہرت رکھتی ہے، انھیں امام زمانہؑ کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا ہے اور جب منصور حلاج نے انھیں اپنی طرف دعوت دی کہ میں صاحب الامر کا وکیل خاص ہوں تو انھوں نے جواب میں لکھا کہ اگر تمھیں یہ منصب حاصل ہے تو اس کا ایک ثبوت یہ دو کہ میری ڈاڑھی کے بال سیاہ ہو جائیں اور مجھے خضاب کی ضرورت نہ پڑے۔ منصور نے اس مسئلہ پر اپنی عاجزی کا احساس کر کے جواب سے گریز کیا لیکن ابو سہل نے اس واقعہ کو مسلسل محافل و مجالس میں نقل کر کے منصور کو ہمیشہ کے لیے رسوا کر دیا اور اس کا دعویٰ بے بنیاد ثابت ہو گیا ورنہ بہت سے افراد کے گمراہ ہو جانے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔

بنی عبّاس

تاریخ اسلام بنی امیہ کے مظالم سے بھری ہوئی ہے۔ مولائے کائنات کی شہادت سے کربلا کے سانحہ تک آل محمدؐ پر نازل ہونے والی کون سی مصیبت ہے جس میں بنی امیہ کا ہاتھ نہ رہا ہو، اور جس خون سے کسی نہ کسی اموی حاکم کے ہاتھ رنگین نہ ہوں ـــ لیکن ان تمام مظالم کے ہوتے ہوئے بھی شاعر نے بنی عباس کے مظالم کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے :

" خدا کی قسم بنی امیہ کے مظالم بنی عباس کے مظالم کے مقابلہ میں عُشر عشیر بھی نہیں ہیں"۔

بنی امیہ نے زندہ افراد پر ظلم کیا ہے، مرنے کے بعد لاشوں کو پامال کیا ہے لیکن اس کے بعد مظالم کا سلسلہ روک دیا تھا اور بنی عباس نے تو قبروں کے نشان تک مٹا دینے کی مہم چلائی ہے اور ہر بعد کے آنے والے نے اپنے پہلے والے کے مظالم کو بھلا دیا ہے اور اپنا ظلم اس سے کوسوں آگے بڑھا دیا ہے۔

ابو العباس سفاح سے اس خوں ریزی کا سلسلہ شروع ہوا اور منصور کے دور میں منزل کمال کو پہونچ گیا۔ جس عباسی حاکم نے تخت حکومت پر قدم رکھا اس کا پہلا کام یہ تھا کہ اولاد رسولؐ کو ستایا جائے اور ان کا نام و نشان تک مٹا دیا جائے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اولاد رسولؐ نے مجبور ہو کر صدائے احتجاج بلند کی تو مزید ستم کا نشانہ بنے انقلابات آئے لیکن کوئی انقلاب کامیاب نہ ہو سکا، اس لیے کہ قوم میں ان مظالم کے مقابلہ میں قیام کی طاقت نہ تھی اور یہ صرف اولاد علیؑ کا کلیجہ تھا کہ نشانہ ستم بنتے رہے اور ظلم کے خلاف آواز بلند کرتے رہے۔

ائمہ معصومینؑ نے ان سخت ترین مواقع میں اپنی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے نہایت درجہ حکمت آمیز راستہ اختیار کیا۔ انھیں علم لدنی کے نتیجہ میں مستقبل کی ناکامیابی کا علم تھا لہذا وہ ان انقلابات کی ظاہری قیادت نہیں کرنا چاہتے تھے، لیکن دوسری طرف مظلومین کی حمایت کا فرض بھی پیش نظر تھا، اس لیے انھیں ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے سے روک بھی نہیں سکتے تھے، اس لیے

ظلم کے مقابلہ میں بالکل خاموش رہ جانا بھی خلاف اسلام ہے۔ چنانچہ آپ حضرات انقلابی جماعتوں کو ان کے انجام سے باخبر کرتے رہے لیکن انھیں ان کے اقدامات سے مکمل طور سے منع نہیں کیا، بلکہ جب بھی ان کے اوپر کوئی نیا ستم ہوا تو اس کے خلاف خود بھی احتجاج کی آواز بلند کی، اور انقلابی افراد کو تسکین قلب کا سامان فراہم کرتے رہے۔ چنانچہ عبداللہ بن الحسن پر منصور کے بے پناہ مظالم کے پیش نظر آپ نے انھیں ایک تاریخی تعزیتی خط لکھا ہے جو ہر دور کے مظلوم کے لیے بہترین سامان تسکین و تسلیت ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ فرزند صالح اور ذریت طیبہ کے نام!

امابعد! اگر انقلابیوں کے درمیان آپ اور آپ کے گھر والوں نے اس قدر مصائب برداشت کیے ہیں تو اس رنج و غم اور درد و مصیبت میں آپ تنہا نہیں ہیں۔ مجھے بھی ایسے تمام مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے لیکن میں نے ہمیشہ حکم خدا کے مطابق صبر و ضبط سے کام لیا ہے۔ پروردگار نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر صبر و تحمل کا حکم دیا ہے۔ اپنے رسولؐ سے فرمایا کہ:

"اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کرو، تم ہماری نگاہوں کے سامنے ہو۔" (طور ۴۸)

"حکم رب پر صبر کرو اور یونس جیسے نہ ہو جاؤ۔" (قلم ۴۸)

"اگر ظالموں سے بدلہ لینا چاہو تو جس طرح انھوں نے ظلم کیا ہے اسی طرح انھیں سزا دو، اور اگر صبر کر لو تو صبر زیادہ بہتر ہے۔" (نحل ۱۲۶)

"اپنے اہل کو نماز کا حکم دو اور اس پر صبر کرو، ہم رزق کے طلب گار نہیں ہیں، رزق دینے والے ہیں اور عاقبت صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔" (طٰہٰ ۱۳۲)

"صابرین پر مصیبت پڑتی ہے تو انا للہ کہتے ہیں اور انھیں کے لیے صلوات و رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔" (بقرہ ۱۵۶)

"صابرین کو ان کے صبر پر بے حساب اجر ملے گا۔" (زمر ۱۰)

لقمان نے اپنے فرزند کو وصیت کی، "مصائب پر صبر کرو کہ یہ مستحکم امور میں سے ہے۔" (لقمان ۱۷)

جناب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، "اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور عاقبت بہرحال صاحبانِ تقویٰ کے لیے ہے۔" (اعراف ۸)

"فائدہ صاحبان ایمان کے لیے ہے جو عمل صالح کرتے ہیں اور حق و صبر کی وصیت و نصیحت کرتے ہیں۔" (عصر ۳)

"پھر ان صاحبان ایمان میں سے ہوتا جن کا کام صبر اور مرحمت کی وصیت کرنا ہے۔" (بلد ۱۷)

"ہم تمھارا امتحان بھوک، خوف، نقص اموال و نفوس و ثمرات سے کریں گے، اور صابرین کو بشارت دے دو۔" (بقرہ ۱۵۵)

"نبی کے ساتھ اللہ والوں نے جہاد کیا تو نہ راہ خدا میں آنے والی مصیبتوں کے مقابلہ میں کمزور ہوئے اور نہ سستی کا مظاہرہ کیا اور اللہ صابرین کو دوست رکھتا ہے۔" (آل عمرآن ۴۶)

"صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں مغفرت اور اجر عظیم کی حق دار ہیں۔" (احزاب ۳۵)

"جب تک حکم خدا نہ آجائے صبر کرتے رہو کہ اللہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔" (یونس ۱۰۹)

میرے عم اور ابن عم! یاد رکھیے کہ پروردگار کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ اس کے ماننے والوں کو دنیا نے ستایا ہے کہ اس کی نگاہ میں اس کے مصائب و آلام سے زیادہ محبوب ترین کوئی شئے نہیں ہے۔ اسے اس کی بھی فکر نہیں ہے کہ دنیا اس کے دشمنوں کو ناز و نعم میں رکھتی ہے کہ وہ اگر اپنے اولیاء کے ساتھ مصائب اور صبر کو پسند نہ کرتا تو دشمنانِ خدا کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ اولیاء خدا کو قتل کر سکیں اور خود عیش و آرام سے حکومت کریں۔ وہ اولیاء کے لیے مصائب برداشت نہ کرتا تو زکریا اور یحییٰ کا قتل واقع نہ ہو سکتا، آپ کے جد علی بن ابی طالبؑ شہید نہ ہوتے،

کربلا کا عظیم سانحہ اور آپ کے چچا کی شہادت نہ ہوتی، اس نے ظالموں کو ڈھیل دی ہے، انھیں ظلم کا موقع دیا ہے کہ اپنا حوصلہ نکال لیں۔ سورۂ زخرف ۳۳ اور سورۂ مومنون ۵۵ میں اس حقیقت کا اعلان بھی فرمادیا ہے۔ صبر کے جوہر مصائب کی شدّت ہی میں کھلتے ہیں اور صبر اللہ کی محبوب ترین صفت ہے۔

احادیث میں بھی اس حقیقت کا اعلان ہوا ہے کہ:

"مومن کی اذیت کا خیال نہ ہوتا تو کافر کو کبھی درد سر بھی نہ ہوتا۔"

"یہ دنیا اللہ کی نظر میں مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتی ہے۔"

"اگر مومن پہاڑ کی چوٹی پر بھی پناہ لے گا تو اللہ کافروں اور منافقوں کو اسے اذیت دینے کا موقع دے گا تاکہ اس کے صبر کے جوہر کھل سکیں"۔

"اللہ جب کسی بندہ کو دوست رکھتا ہے تو اس پر بلاؤں کا مسلسل نزول ہوتا ہے کہ ایک غم سے نکلتا ہے اور دوسرے میں داخل ہوجاتا ہے۔"

"بندۂ مومن کے لیے اس دنیا میں دو ہی گھونٹ محبوب ہیں۔ ایک غصہ کا پی جانا اور دوسرے مصیبت کو برداشت کرلینا صبر و تحمل کے ساتھ۔ اصحاب رسولؐ اپنے ظالمین کے لیے طول عمر اور صحت بدن اور کثرت مال و اولاد کی تمنا کرتے تھے تاکہ اپنے امکان بھر ظلم ڈھا سکیں اور وہ اپنے صبر کا مظاہرہ کرسکیں۔"

لہٰذا عم محترم، ابن العم اور برادران! آپ سب صبر و رضا، تسلیم و تفویض کو اختیار کریں، قضائے الٰہی پر صابر رہیں، اطاعتِ خدا کرتے رہیں، احکام کی تعمیل کریں۔ اللہ ہم کو اور آپ کو صبر بے حساب عطا کرے اور انجام بخیر کرے اور اپنی قوت و قدرت سے ہر ہلاکت سے نجات دے۔ وہی سننے والا ہے اور وہی بندہ سے قریب تر ہے۔ اللہ اپنے مصطفیٰ بندے حضرت محمدؐ اور ان کے اہلبیتؑ پر رحمت نازل فرمائے۔" (بحار الانوار ۷، ۴)

اس خطے سے اس صورت حال کا مکمل اندازہ کیا جاسکتا ہے جس سے اولادِ علیؑ گذر رہی تھی اور یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ معصومینؑ، مظلومین اور مستضعفین کے حالات سے بے تعلق

یا انقلابیوں سے بیزار نہیں تھے۔ حالات نے انھیں قیام کی اجازت نہیں دی تھی ورنہ وہ ہر ظالم سے بیزار اور ہر ظلم کے خلاف تحریک سے ہم آواز تھے بشرطیکہ اس کی بنیادیں دین و ایمان اور دیانت و اخلاص پر استوار ہوں۔

سوچیے بنی عباس کے آغاز اقتدار میں مصائب کا یہ عالم تھا تو استحکام سلطنت کے بعد مصائب کی کیا کیفیت ہوگی؟ اس کا اندازہ بھی انھیں حالات سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہارونؔ کا امام موسیٰ کاظمؑ کو مسلسل قید خانہ میں رکھنا اور قید و بند کے عالم میں شہید کرادینا، مامون کا امام رضاؑ کو ولی عہد بنانا اور پھر شہید کرادینا، امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنانا اور پھر نشانۂ ستم بنا کر معتصم کا آپ کو زہر دلادینا، متوکل کا قبر امام حسینؑ کی بربادی کا سامان کرنا اور اس طرح کے بے شمار مظالم ہیں جو ائمہ معصومینؑ کے سامنے آتے رہے ہیں اور بنی عباس کے ننگ حرام حکام جس کے نام پر برسر اقتدار آئے تھے اسی کے گھرانے کو بے نام و نشان بنانے پر تلے رہے ہیں۔

امام حسن عسکریؑ کو ان مصائب میں سے ایک نیا حصہ ملا تھا کہ ظالمین کو معلوم تھا کہ پیغمبرؐ اسلام کا بارہواں وارث ظلم کی بساط کو اُلٹ دے گا اور اس کے آنے کے بعد ظلم و جور کا خاتمہ ہوجائے گا اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ ان کی نسل کے گیارہویں وارث ہیں لہٰذا مظالم کا تمام تر رُخ آپ کی ذات مبارک کی طرف تھا اور ہر شخص کو فکر تھی کہ آپ کی زندگی کا خاتمہ کردیا جائے اور ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ اپنی بدنامی بھی نہ ہونے پائے اور زندگی کا خاتمہ بھی ہوجائے۔ حکومت کے لیے یہ کام بہت آسان تھا۔ لیکن جسے پروردگار بچانا چاہے اسے کوئی نہیں مٹا سکتا ہے، چنانچہ ظالموں نے قتل کرنے کے بجائے اذیتوں کا راستہ اختیار کیا کہ نگاہِ قدرت میں اولیاء خدا کے صبر کے جوہر کھلنے کا یہ بہترین راستہ ہے۔ مظالم اپنی حد سے گزر گئے۔ قید و بند، خانہ نشینی، نظربندی اور اس طرح کے شدید ترین حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ جس قصر میں ظالم آرام کرے اس کے گوشے میں امام کو قیدی بنا کر رکھا گیا کہ یہ آل رسولؐ کے ساتھ امت کی نگاہ میں بہترین برتاؤ تھا اور اس طرح ظالموں کی دنیا میں اجر رسالت ادا کیا جارہا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ حجت آخر اس دنیا میں آگیا اور اعلان پروردگار "جاء الحق و زھق الباطل" کا مصداق پیدا ہوگیا۔ مظالم کی رات آخر منزل پر آگئی اور عدل و انصاف کا سورج طلوع ہوگیا۔